تدبر قرآن کے ماخذات کا تعارف و تجزیہ

ANALYSIS AND INTRODUCTION OF SOURCES OF TAFSEER TADABBUR E QUR'AN

[1]*غلام حیدر تیونو
**ڈاکٹر مختیار احمد کاندھڑو

Abstract

The Exegesis of Maulana Amin Ahsan Islahi namely Tadabbur-e-Quran is one of the popular commentaries on the Holy Quran, whose style is different from other commentaries. The sources of Maulana Islahi's exegesis are different from those of the others. Maulana Islahi divides the sources of interpretation of the Quran into two broad categories, one is internal sources and the otherone is external sources. He further divides internal sources into three types: 1. Arabic language 2. Coherence, 3. Tafsir al-Quran bi al-Quran. He also further divides the external sources into 1. Sunnat-e-mutawatirah, 2. Ahadith and Athar of Sahabah, 3. Tafsir literature, 4. Previous religious scriptures 5. History of Arabs. Like Maulana Hamidduddin Farahi, Maulana Islahi gave great importance to the kalam-e-Arab (Arabic Language) and textual coherence, hence, strogly refuting the view that Quran is devoid of coherence and meaningful textual order.

KEYWORDS: commentaries, interpretation, Coherence, hence.

*ٹیچنگ اسسٹنٹ، شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ، سندھ یونیورسٹی، جام شورو
** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ، سندھ یونیورسٹی، جام شورو

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" برصغیر کے علماء کی تفاسیر میں سے ایک ہے، تفسیر ایک ایسا موضوع ہے، جس کے ذریعے انسان قرآن پاک کے معنٰی، مطالب اور حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔اس لیے علما کرام نے ہر وقت اس کام میں اپنی کوششیں جاری رکھی ہیں،ان میں مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" بھی اہم حیثیت رکھتی ہے۔قرآن پاک اللہ تعالٰی کی طرف سے ہدایت ور ہنمائی کرنے والا بنا کر نازل کیا گیا ہے۔قرآن پاک کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر اس پر غور کرنا چاہیے۔جو شخص اس کی دی گئی راہوں پر چلے گا وہ کبھی بھی گم راہ نہ ہوگا۔مولانا کی تفسیر نہایت منفرد حیثیت رکھتی ہے،اس تفسیر میں مولانا اصلاحی نے نیا اسلوب متعارف کروایا ہے،جو برصغیر کی دیگر تفاسیر سے مختلف ہے۔جیسا کہ قرآن پاک کا نظم،ہر سورت کا عمود اور الفاظ کی تحقیق وغیرہ۔تفسیر تدبر قرآن کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''میں اپنے رب کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں کسی ایک آیت کی بھی ایسی تفسیر نہیں کی جس میں کوئی تردد ہو، جہاں ذرا بھی کوئی تردد ہوا ہے میں نے بے تکلف اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔اسی طرح یہ بات بھی عرض کرتا ہوں کہ کسی ایک مقام پر بھی میں نے یہ کوشش نہیں کی کہ کسی آیت کو اس کے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر اپنے کسی نظریے یا کسی خیال کی تائید کے لیے استعمال کروں۔قرآن سے باہر کی کسی چیز سے بھی کبھی میری کوئی خاص قلبی و ذہنی وابستگی نہیں ہوئی، اگر ہوئی ہے تو قرآن کے لیے اور قرآن ہی کے تحت ہوئی ہے۔اس کتاب کے پڑھنے والے محسوس کریں گے کہ جہاں کہیں مجھے اپنے استاد سے بھی اختلاف ہوا ہے میں نے بے جھجک اس کا بھی اظہار کر دیا ہے[2]''مولانا اپنی تفسیر میں کچھ آیات کے مطالب سمجھنے میں دیگر مفسرین سے منفرد نظر آتے ہیں۔اس سلسلے میں " تفسیر تدبر قرآن" کی خصوصیات سے واقف ہونا اور اس سے استفادہ کرنے کے ساتھ ان معلومات کو آسان کر کے پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔

[2]:تدبر قرآن، مقدمہ، ص:17

تدبر قرآن کے ماخذ

مولانا اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" کے مقدمے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کے ماخذ دوسری تفاسیر کے ماخذات سے منفرد ہیں۔ آپ نے تفسیر کے ماخذات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1: داخلی (اندرونی) ماخذ

2: خارجی (بیرونی) ماخذ

ان کا ذیل میں مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے، جو مولانا نے اپنی تفسیر میں بتائے ہیں۔

1: لغت عرب

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ عربی زبان جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزے کے حد تک پہنچتی ہے، جس کے بارے میں انسانوں اور جنات میں سے کسی میں بھی یہ جرات نہ ہو سکی کہ اس جیسا کلام پیش کر سکیں۔ عربی زبان کے اعلیٰ شاعروں میں سے سبعہ معلقات کے آخری شاعر لبید ہیں۔ جس کے ایک شعر پڑھنے پر عکاظ کے میلے میں موجود تمام شعرا نے انہیں سجدہ کیا تھا، اور عرب روایات کے مطابق اعزاز کے طور پر اس کا وہ شعر خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے شاعری چھوڑ دی تھی، جس پر ایک شخص نے پوچھا کہ آپ شعر کیوں نہیں پڑھتے؟ اس پر لبید نے جواب دیا کہ "ابعد القرآن[3]؟" یعنی کیا قرآن نازل ہونے کے بعد بھی اس کے لیے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

عربی زبان خصوصا قرآن کی زبان کے معاملے میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ زبان کہیں بھی رائج نہیں ہے۔ جس (عربی زبان) میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ عرب و عجم میں اس وقت جو عربی پڑھی اور پڑھائی ،بولی اور لکھی جاتی ہے، یہ اپنے اسلوب و انداز، لب و لہجے اور اپنے الفاظ و محاوروں میں اس زبان سے بالکل مختلف ہے، جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ مدارس میں بھی جو عربی پڑھائی جاتی ہے وہ بھی اصل قرآن والی زبان نہیں

---

[3] ایضاً:

ہے، بلکہ یہ بھی مصر، شام اور عرب میں جو زبان رائج ہے، اس قسم کی عربی ہے۔ قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے وہ نہ مصر، شام کے اخبارات ورسائل کی ہے، اور نہ حریری و متنبی کی زبان ہے۔ بلکہ یہ اس ٹکسالی زبان میں ہے جو امرؤالقیس، عمرو بن کلثوم، زہیر اور لبید جیسے عرب شعرا اور قس بن ساعدہ جیسے بلند پایہ خطبا سے ملتی ہے۔ اس طرح جو شخص بھی قرآن کے اعجاز کا اندازہ کرنا چاہے تو وہ زمانہ جاہلیت کے شعرا اور ادبا کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں کے سمجھنے کا شوق پیدا کرے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ قرآن عربی زبان کی خوبیوں کا کتنا کامل نمونہ ہے، اور نہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کے اندر وہ کون سی خوبی ہے، جس نے وقت کے فصاحت وبلاغت کے ماہرین کو ہمیشہ کے لیے عاجز کر دیا تھا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ جاہلیت کے شعرا اور خطیبوں کا کافی حصہ مٹ چکا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی ان کا اتنا حصہ موجود تھا جس سے وہ اپنے مقصد کے حصول کی کفایت کرتے تھے۔ شعرا کے کلام کا ایسا مجموعہ آج بھی موجود ہے، جس میں کلام عرب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے[4]

ان کے پاس صرف زبان کے معاملے میں ہی نہیں بلکہ اہل عرب کے معروف و منکر، ان کی معاشرتی زندگی کی خصوصیات، معاشرے میں نیکی اور برائی کا معیار، سماجی، تمدنی اور سیاسی نظریہ، روزمرہ زندگی میں ان کی دلچسپیاں اور مشاغل، مذہبی رسومات وعقائد، یعنی اس طرح کی تمام چیزوں کو سمجھنے میں مدد ان کو اپنے لٹریچر (ادب) سے ملتی تھی، یہ کسی اور چیز سے نہیں ملتی تھی۔ ان چیزوں سے صحیح طور پر واقف ہونا اس شخص کے لیے ضروری ہے جو قرآن کے اشارات و تلمیحات، ان کے تعین اور کنایت کو صحیح طرح سمجھنا چاہتا ہے۔ قرآن نے اس طرح کی تمام چیزوں سے تعرض کر کے ان کے اندر جو بھلائی موجود تھی، اس کو اجاگر کیا ہے۔ جو برائی ان میں موجود تھی، اس کو ختم کیا۔ اس لیے قرآن میں بار بار ایسے اشارات و کنایات آتے ہیں، جن کی مکمل وضاحت اس وقت تک مشکل ہے، جب تک اسلام کی اصلاحات کے ساتھ ساتھ انسان زمانہ جاہلیت کی بدعات سے واقف نہ ہو[5]۔

---

[4]: ایضاً، ص:14،15

[5]:ایضاً، ص:16

2: نظم قرآن کا مفہوم

قرآن مجید کے نظم وضبط کی بحث سے قبل یہ ضروری ہے کہ نظم کی تعریف کے بارے میں علماومفسرین کرام کی آرا کا جائزہ پیش کیا جائے۔

مشہور عربی لغت کے ماہر "لسان العرب" کے مصنف ابن منظور افریقی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

النظم : التاليف – نظمه ينظمه نظما و نظاما ونظم فانتظم وتنظم ونظمتُ اللؤلوأ جمعته فی السلک، النظام مانظمت فيه الشیء من خيط [6]- (نظم کی معنیٰ ہے ملانا،جوڑنا،" ونظمتُ اللؤ لؤ "یعنی میں نے موتیوں کو ایک لڑی میں پرودیا۔نظام کی معنیٰ ہے دھاگہ یا اس قسم کی کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے پرونا[7] -

صاحب قاموس المحیط نے بھی نظم کی یہی تعریف کی ہے۔کچھ علما نے اس کی تعریف "مناسبت" کی تعبیر سے کی ہے۔مولانا محمد مالک کاندھلوی فرماتے ہیں:

''مناسبت لغت میں باہمی مشاکلت اور مقاربت کو کہا جاتا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ متعدد آیات کو ایک ہی معنی اور ایک ہی غرض کے ساتھ اس طرح مربوط کیا جائے کہ وہ ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی معلوم ہونے لگیں[8] ''

مولانا وحید زمان قاسمی کیرانوی مشہور ومایہ ناز لغت "قاموس الوحید" میں نظم کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ سے کرتے ہیں:

نظما: باہم ملانا، ترتیب دینا، منسلک کرنا[9]۔

---

[6]: افریقی،ابن منظور، لسان العرب، ج:12، ص:587، عزمی، مولانا امین احسن اصلاحی حیات وافکار، 233،

[7]:ایضاً

[8]:کاندھلوی، محمد مالک، مولانا، منازل العرفان فی علوم القرآن، ص: 237، اصلاحی حیات وافکار، ص:233

[9]: کیرانوي، وحید زمان، مولانا، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاھور، 27 /1986/02ء، ص:1669

علامہ سیوطی کے نزدیک اس کی تعریف کچھ اس طرح ہے:

''مناسبت کے لغوی معنی ہم شکل اور باہم قریب ہونے کے ہیں-اور آیات یاان کی مثل چیزوں میں مناسبت کا مرجع ایک ایسے ربط معنی کی جانب کرتا ہے جو کہ ان آیات کے مابین ہو-وہ معنی عام وخاص عقلی ہو یا حسی خیالی یااس کے ماسوا علاقات کی دوسری نوعیں ہوں-یا تلازم ذہنی ہو، مثلاً سبب اور مسبب علت اور معلول نظیریں اور ضدّیں اور انھی کے مانند دیگر امور[10]۔''

نظم کی اس لغوی تشریح کے تناظر میں نظم قرآن سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید ایک مربوط (ربط وتعلق) اور متکلم کلام ہے۔ غیر مربوط بیانات کا مجموعہ نہیں ہے۔ فلسفہ نظم قرآن کے مشہور ومعروف ترجمان مولانا حمید الدین فراہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مرادنا بالنظام ان تكون السورت كاملا واحدا، ثم تكون ذات مناسبتھ بالسورت السابقتھ اللاحقتھ او بالتی قبلھا وبعدھاعلی بعدما، كما قد منا فی نظم الايات بعضھا مع بعض، فكما ان الأيات ربّما تكون معترضھ، وعلی ھذا الاصل تراء القرآن كلھ كلاما واحدا، ذا مناسبتھ وترتيب فاجزائھ من الاوّل الی الأخر "[11] ۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''اعلم ان مرادنا من النظام ان تكون لكل سورت، صورت مشھورت مشخصتھ فان معانی الكلام اذا ارتبط بعضھا ببعض وجرت الی عمود واحد ، وكان الكلام ذاواحدانيتھ حينئذ لايكون الا ولھ صورت مشخصتھ ''[12]۔

ہر سورت کاایک مرکزی مضمون ہوتاہے۔سورت کی تمام آیات اس مرکزی مضمون کی تشریح اور وضاحت کرتی ہیں۔اسی طرح تمام سورتیں باہم ربط وتعلق رکھتی ہیں،اور پوراقرآن ایک " نظم وربط "بنتاہے۔ان

[10]: سیوطی، عبدالرحمٰن، الاتقان فی علوم القرآن، (اردو)، لاہور، ادارہ اسلامیات، اگست: 1982، ج:2، ص:270،269، اصلاحی حیات وافکار، ص:233

[11]: رسائل الامام الفراہی، ص:87، اصلاحی حیات وافکار، ص:234

[12]: ایضاً، رسائل الامام الفراہی، ص:87،

صریح دلائل کی روشنی میں نظم قرآن کا مفہوم اور اس کے بنیادی خدوخال کی وضاحت ہوتی ہے۔ کچھ علما نے اسے علم مناسبت سے تعبیر کیا ہے تو کچھ علما نے اسے "نظم و تعلق" کا نام دیا ہے۔ ابتدائی دور کے مفسرین کی تحریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نظم و مناسبت کی اصطلاح ہم معنٰی اور ایک جیسی ہے۔ ان دونوں اصطلاحات کا مقصد الفاظ اور قرآن کی آیات کا آپس میں لفظی تعلق، شکلی مشابہت اور موافقت ہے۔

سورتوں کے اندرونی نظم میں زیادہ سے زیادہ ایک مرکزی موضوع کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ پھر جزاور تفصیل کا ان کے ساتھ ربط و تعلق ہوتا ہے۔ جزئیات کا ربط اور نظم کی صورت کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ کبھی ایک بات ایک آیت سے مکمل نہیں ہوتی تو دوسری آیت گزشتہ مضمون کی مکمل تفسیر یا بیان کرتی ہے۔ کبھی کبھار حصر اور استثنا کے لیے دوسری آیت تعلیل یا استدراک کے لیے ہوتی ہے۔ اس طرح ربط و تعلق کی نوعیت کبھی مقابلے اور ضد کی صورت میں ہوتی ہے۔ جس طرح "مؤمنین کی صفات" کے معابعد "مشرکین کی صفات"۔ "ترغیب" کے بعد "ترہیب" کی آیات وغیرہ[13]۔ اسی طرح کبھی پہلے عقل کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، اور بعد میں دل کو متوجہ کیا جاتا ہے۔ احکامات کے وعظ و نصیحت کا درس دیا جاتا ہے۔ قرآن کا دستور ہے کہ جس موقعہ پر کچھ احکامات کا ذکر آتا ہے، اس کے بعد وعدہ و وعید کا ذکر بھی آتا ہے، تاکہ یہ وعدہ و دھمکی پہلے بیان شدہ حکم پر عمل کرنے کو واضح کرے۔ اس کے بعد توحید اور تنزیہ کی آیات ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ اس سے نیکی کے حکم دینے والے اور روکنے والے (اللہ تعالٰی) کی عظمت کا اندازہ ہو۔ قرآن مجید میں فرمان باری تعالٰی ہے: ''كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ 14" كه يه بات الله تعالى اپنے قول"أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا [15]'' کے عقب میں فرماتے ہیں، کیونکہ یہاں اللہ تعالٰی اپنے پیغمبر کو مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق اس کے باوجود کہ آپ کے صحابہ کرام کی ناراضگی کو اس طرح اپنے احکام پر چلنے کا حکم فرمایا، جس طرح آپ ﷺ قریش کے قافلے کی تلاش یا جنگ کے

---

[13]: الاتقان (اردو)، ج:2، ص:270،272 -

[14]: سورۃ الانفال 08، آیت:5

[15]: ایضاً، آیت:4

لیے اپنے گھر سے نکلنے کے بارے میں حکم الٰہی کے فرمانبردار تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے اصحاب اس پر متفق نہیں تھے، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو آپ کی تقسیم غنیمت کے بارے میں ناپسند ماننا ایسا ہے جیسا کہ وہ جنگ کے لیے گھر سے نکلنے کو ناپسند کر رہے تھے۔ خروج (جہاد کے لیے نکلنا) کے بارے میں فتح، نصرت وغنیمت کے حصول کی بہتری کا ذکر اور اسلام کی عزت کا بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ بھی بیان کیا گیا ہے تاکہ اس طرح رسول ﷺ کے فعل کے ذریعے غنیمت کی تقسیم میں بھی بہتری آئے۔ اس لیے اصحاب رسول ﷺ کو چاہیے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کریں اور اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کریں [16]۔

دوسرا سبب مضادہ یعنی ایک دوسرے کا ضد (خلاف ہونا) ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ میں فرمان باری تعالیٰ ''اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ [17]'' اس سورت کا آغاز قرآن کا ذکر تھا اور اس بات کا بیان کہ قرآن کی شان ایمان کے ساتھ متصف قوم کی ہدایت ہے۔ پھر جب مؤمنین کی صفات کو مکمل کیا کہ اس کے مقابلے میں کفار کا ذکر شروع کیا۔ ان دونوں تذکروں کا آپس میں باہمی تعلق موجود ہے، جس کو اس کے سبب تضاد کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ پہلے کلام الٰہی پر ثابت رہنا اور اس کی طرف ترغیب دینا۔ جیسے کہا گیا ہے ''وَبِضِدِّ هَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ [18]''اشیا اپنے ضد (اختلاف) کی وجہ سے ظاہر اور نمایاں ہوتی ہیں۔

نظم قرآن کا ارتقا

قرآن مجید کے اولین مخاطب (صحابہ کرام)، قرآنی آیات کے نزول کے اسباب اور تاریخی پس منظر، حالات اور پیش آنے والے مسائل سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان کے لیے ہر آیت کے اشارے اور مقصد کو سمجھنے اور ہر آیت کے مصداق تک پہنچنا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور تک یہی طریقہ اور یہی حالت رہی۔ اسی طرح تیسری صدی ہجری کے اواخر تک کسی ادیب اور مفسر آیات کے

---

[16]: الاتقان، ج:2، 2171، 270

[17]: سورۃ البقرہ 02، آیت: 6

[18]: الاتقان، ج:2، ص: 271

آپس میں مناسبت کے اظہار کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن بعد میں یہ صورت نہ رہی۔ محمد بن سیرین [19] نے حضرت عبیدہ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا تو محمد بن سیرین کہنے لگے:

''اتق اللّٰہ وقل سدادا ، ذھب الذین یعلمون فیما انزل اللّٰہ من القرآن [20] ''

اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو۔ وہ لوگ چلے گئے (فوت ہو گئے) جو جانتے تھے کہ قرآن کس حالت میں نازل ہوا ہے۔

قرآن مجید کے نزول کے اسباب کی تفصیل کا محفوظ نہ رہنے کے نتیجے میں ایک طرف قرآن مجید کے ربط و تعلق میں غیر واقفیت بڑھ گئی، دوسری طرف عجمی علوم و فنون کے تراجم شائع ہونے لگے۔ جس سے تصنیف و تالیف کے فن میں ایک نوعیت پیدا ہوئی۔ ہر زبان و ادب کے کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ جس کا تعلق سوچ و فکر کی وسعت، نظر کی گہرائی، زبان کی اثر انگیزی اور ادب کی لطف اندازی سے ہوتا ہے۔ اس انداز کو زبان و روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ البتہ تحریر کا اسلوب اور تعبیر کا طریقہ ہر دور میں مختلف رہا ہے۔ فصاحت و بلاغت کا سانچہ ہر دور میں بگڑتا اور سنورتا رہا ہے۔ قرآن مجید اعلیٰ اقتدار کا کامل نمونہ بھی ہے، اور قدیم اسلوب کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ قدیم شاعروں اور خطیبوں کے کلام میں بلاغت کا وہ معیار نہ تھا کہ اس میں ہر جگہ پر جلی ربط اور مناسبت موجود ہو۔ ان کے پاس حذف و ایجاز عام تھا۔ وہ ایک بات کے بعد دوسری بات کی مثال و دلیل، ان کے نتیجے یا ان کی تکمیل اور استدراک کے طور پر لا کر اس ربط و تعلق کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ جب تک قدیم ادب کے ذوق کا غلبہ رہا تو مفسرین کے نزدیک سورتوں اور آیتوں کے مضامین کی باہمی مناسبت اور ربط پر گفتگو کا رجحان ناپید رہا۔ اسی طرح فراء اور جاحظ سے لے کر ابن قتیبہ اور واسطی تک اعجاز القرآن کے بحثوں پر اصل زور آیات کے نظم کی ادبی اور بلاغی پہلو پر نظر ڈالی گئی ہے۔ قدیم عربی کے تنقیدی اسلوب کے مطابق کسی تصنیفی کام کی خوبی کا جائزہ لینے کے لیے ہر ایک جز کا الگ الگ جائزہ لیا جاتا تھا اور تحسین کلام (کلام کی خوبی) کو مکمل طور پر وساطت نہ تھی، ہر جز کی روشنی میں کام کیا جاتا تھا۔ اسی طرح اعجاز القرآن کو ثابت کرنے کے لیے لکھی گئی کتب میں بھی یہی انداز غالب رہا۔ تیسری صدی

---

[19]: آپ کا مکمل نام محمد، کنیت ابو بکر اور والد کا نام سیرین تھا، ابن سیرین کے نام سے مشہور ہیں اور اعلیٰ درجے کے تابعین میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کی وفات 110ھ میں ہوئی، ابن حجر نے آپ کا امام الحدیث کہا ہے۔

[20]: القطان، مناع خلیل، مباحث فی علوم القرآن، مکتبہ وہبہ 14 اشارع الجمہوریۃ، القاہرہ، 1995ء، ص: 71۔ اصلاحی حیات و افکار، ص: 235،

ہجری کے اواخر میں زبان وادب کا اسلوب سامنے آیا تو قرآن مجید کے حسن وخوبی کی تلاش جز کے ساتھ ساتھ مکمل صورت میں بھی ہونے لگی۔ قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کا باہمی مناسبت، ربط و تعلق اور اس مجموعی سلسلے پر غور و فکر کرنے سے بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے شیخ ابو بکر نیشاپوری نے علم مناسبت ظاہر کیا تھا۔ آپ اہل علم، شریعت وادب کے بہت ہی ماہر تھے۔ آپ آیت الکرسی کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد، فلاں آیت پہلے کیوں رکھی گئی؟ اور اس کو سورۃ البقرہ میں رکھنے کی کیا حکمت تھی؟ آپ بغداد کے علما پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ان علما کو مناسبت کا کوئی علم نہیں ہے۔[21] اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا قول ہے: "مناسبت ایک عمدہ علم ہے"[22]" ابوالفرح حمدانی نے اس موضوع پر سب سے پہلے "علم المناسبت" کتاب لکھی۔[23]، قاضی عبدالجبار اسد آبادی نے نظم قرآن کو باقاعدہ فن کی شکل دی۔ آپ نے لکھا ہے کہ فصاحت الفاظ مفردات میں نہیں ہوتی ہے۔ لیکن کلام میں نظم وربط پیدا کرنے سے فصاحت پیدا ہوتی ہے۔[24]۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں نظم ومناسبت کی ادب وبلاغت کے موضوعات پر علمی بحث شروع ہوئی۔ علم بلاغت اور علم بدیع کے تناظر میں جو تحقیقات منظر عام پر آئیں، انہیں بنیاد بناتے ہوئے علامہ عبدالقاہر جرجانی نے الفاظ و معانی کے حوالے سے نظم قرآن کی باقاعدہ نظریہ کاری اور دلائل الاعجاز لکھ کر ثابت کیا کہ بلاغت کلام دراصل کلام کے نظم کی خوبی ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے دو ممتاز مفسرین نے اس نظریے کو وسعت دینے میں خاص توجہ دی۔ ان میں سے ایک علامہ زمخشری ہیں، جنہوں نے آیات کی مناسبت کو قرآن مجید کی بلاغت کا جز قرار دیا اور اس کے مخفی پہلوؤں کو اپنی تفسیر "کشاف" میں بیان کیا۔ محقق قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی جس نے علم المناسبت کو عظیم علم قرار دیا۔ یہ پہلے مفسر ہیں، جو آیات کے باہم ربط و تعلق کے قائل تھے۔ آپ پورے قرآن کو کلمہ واحد کی طرح سمجھتے تھے۔ مناسبت کے موضوع کو سب سے زیادہ اہمیت علامہ فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسین رازی کی تفسیر "مفاتیح الغیب" سے حاصل ہوئی تھی۔ جس میں نظم اور آیات کے ربط پر خصوصی توجہ دی گئی

---

[21]: الاتقان، ج:2، ص:268

[22]: ایضاً

[23]: عزمی، اصلاحی حیات وافکار، ص:236

[24]: اسد آبادی، ابی الحسن عبدالجبار قاضی، المغني في ابواب التوحيد والعدل، ج:16، ص:119

ہے۔جملوں کی تقدیم وتاخیر، صیغوں اور الفاظ کے موصول کا دقیق انداز میں کام کیا گیا ہے۔امام رازی پہلے عالم ہیں ،جنہوں نے نظم اور الفاظ کی ترتیب و معنیٰ کو معجزہ قرار دیا تھا [25]۔اس موضوع پر دوسری اہم کتاب علامہ ابو جعفر زبیر شیخ ابو حیان کی تصنیف "البرھان فی مناسبت ترتیب سورۃ القرآن" ہے۔[26]

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں نظم وربط کو بہترین عبارت میں بیان کرنے پر خاص زور دیا ہے۔علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنی کتاب "مشکلات القرآن" میں مناسبت کے کچھ دقیق اور مشکل اسباب کا حل پیش کیا ہے اور اہم نکات کا اضافہ بھی کیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں آیات اور سورتوں کے باہمی ربط و تعلق کی خاص اہمیت پیش کی ہے،اور اس موضوع پر آپ نے اردو زبان میں "سبیل النجاح" اور عربی زبان میں "سبق الغایات فی نسق الآیات" کے عنوان سے دو رسائل تحریر کیے،اور سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الناس تک الگ الگ فصول میں آیات کے ربط کے ماخذات کے حوالے سے مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔

اسی طرح مفتی محمد شفیع اور مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی تفاسیر "معارف القرآن" میں اسی منہج اور ان اصولوں کی روشنی میں مناسبت وربط کے موضوع کو آگے بڑھایا۔مولانا عبید اللہ سندھی نے نظم قرآن کے مسئلے کو اپنا موضوع بنایا۔آپ فرماتے ہیں:

''میں نے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی روشنی میں قرآن مجید کے چند مقاصد معین کیے ہیں پھر ان کے پیش نظر ہر صورت کے ایک خاص مرکزی مضمون کا تعین کیا ہے اور اس طرح سورتوں میں تسلسل قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا ہوں [27]''

مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک شاگرد موسیٰ جار اللہ نے نظم قرآن کے سلسلے میں "ترتیب السورۃ الکریمۃ في النزول والمصاحف" لکھی۔تفسیر جواہر القرآن کے مفسر مولانا حسین علی نے اس موضوع پر" بلغت الحیران في ربط

---

[25]: اصلاحی حیات وافکار، ص:236

[26]:الاتقان، ج:2، ص:267

[27]:اصلاحی حیات وافکار، ص: 237

آیات الفرقان "لکھی، جس میں پہلی سورت سے آخر تک الگ الگ نسبت اور ربط پر علمی تحقیق پیش کی ہے، جس سے نظم قرآن کی بحث میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا۔

برصغیر میں مولانا حمید الدین فراہی کو نظم قرآن کا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے۔آپ کے گہرے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے علما میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔آپ نے تدبر قرآن میں چالیس سال کے طویل عرصے کے نتیجے میں قرآن کو سمجھنے کے لیے نظم وربط کو قرآن کی اہم کنجی قرار دیا۔ نظم وربط کی مناسبت کے اصولوں کی وضاحت کے لیے "دلائل النظام "لکھی۔ان کے تصور نظم کے مطابق قرآن کریم کی ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون "عمود" ہے جس میں ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط و تعلق ہے اور ایک سورت کے مختلف موضوعات کے باوجود ایک وحدت میں تبدیل ہوتی ہیں۔اسی طرح پورے قرآن کی آیات کا باہم بہت گہرا تعلق ہے[28] اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا فراہی اپنی تفسیر "نظام قرآن "میں نظم کے متعلق فرماتے ہیں:

''میں پورے اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ نظم کی تلاش میں، میں نے کسی شخص کی پیروی نہیں کی ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی بصیرت میری رہنما رہی ہے۔تاہم یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ قرآن کے اندر نظم کی تلاش میں، میں تنہا ہوں۔بلکہ مجھ سے پہلے بھی علما کی ایک جماعت نے اس راہ میں کوششیں کی ہے اور اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں [29] ''

آپ علامہ سیوطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں:

''علامہ ابو جعفر بن زبیر نے خاص اس عنوان پر ایک کتاب تالیف کی ہے۔اس کا نام البرھان فی مناسبت سور القرآن ہے، اور ہمارے زمانہ کے لوگوں میں سے شیخ برہان الدین بقاعی نے بھی اپنی کتاب نظم الدرر فی تناسب الآي والسور میں نظم کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے[30]''

اس کے علاوہ علامہ سیوطی خود اپنی ایک کتاب الاتقان میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

---

[28]: سبحانی، محمد عنایت اللہ، مولانا حمید الدین فراہی، ص:148،153-، اصلاحی حیات وافکار، ص:238

[29]:اصلاحی، امین احسن، مولانا، مترجم، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، فراہی حمید الدین، مولانا، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، س۔ن، ص:7،6 ، اصلاحی، امین احسن، مولانا، مترجم، مجموعہ تفاسیر فراہی: فراہی حمید الدین، مولانا، لاہور، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، 1973ء، ص:29

[30]: مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:29۔، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص:7—، الاتقان، ج:2، ص:267

''اور خود میری (علامہ سیوطی کی) کتاب جس کو میں نے اسرار التنزیل کے بیان میں تصنیف کیا ہے کہ یہ سورتوں و آیتوں کی باہمی مناسبت کی جامع ہے اسی کے ساتھ اس میں وجوہ اعجاز اور بلاغت کے اسالیب کا بیان بھی شامل ہے، اس کتاب سے خلاصہ کر کے میں نے سورتوں کے مناسبات کو خاص کر ایک نفیس جز (رسالہ) میں جمع کر دیا اور اس کا نام تَنَاسُقَ الدُّرَرِ فِي تَنَاسُبِ السُّوَرِ رکھا ہے[31]''

قدیم علما کی نظم قرآن کی بارے میں آرا

نظم کے قائل مفسرین میں نظم قرآن کے بارے میں کیا تصور موجود تھا؟ اس کا انداز نیچے بیان کیے گئے مختصر دلائل سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد زمخشری کا قول ہے:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون کا افتتاح ''قد افلح المؤمنون [32]'' سے کیا اور اس کا خاتمہ ''انہ لا یفلح الکٰفرون [33]'' پر کیا لہٰذا یہ دیکھنا ہے کہ مبتدا و منتہا میں کیا زمین و آسمان کا فرق ہے اور ربط ظاہر ہے[34]۔

ابو جعفر بن زبیر فرماتے ہیں:

خطابی نے ذکر کیا ہے کہ جس وقت صحابہ کرام نے قرآن شریف (جمع و تدوین) پر اجماع کیا اور سورۃ القدر کو سورۃ العلق کے بعد رکھا، انہوں نے اس ترتیب کی یہ دلیل دی کہ ''قوله تعالىٰ: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ [35]''، میں کنایہ کی "ھا" سے اس کی "اقرا" کی طرف اشارہ مراد ہے۔ ابن العربی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ استدلال بے حد نادر ہے[36]

---

[31]: الاتقان، ج:2، ص:267، (مولانا فراہی نے اپنے الفاظ میں اوپر بیان کی گئی عبارت کو تھوڑے فرق سے اپنے رسالے مجموعہ تفاسیر میں بیان کیا ہے) مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص:7-، مجموعہ تفاسیر فراہی،، ص:29۔

[32]: سورۃ المومنون 23، آیت:1

[33]: ایضا... آیت:117، (نوٹ: یہ سورت 118 آیات پر مشتمل ہے، یہاں آخر سے مراد بیان کی گئی آخری آیت نہیں ہے، لیکن اس سے مراد اس سورت کے اختتام کی طرف اشارہ ہے: ریسرچ اسکالر)

[34]: الاتقان، ج:2، ص:277

[35]: سورۃ القدر 97، آیت:1

[36]: الاتقان، ج:2، ص:279،280

علامہ زرکشی کے مطابق ایک سورت کے آغاز میں اوراس کے اختتام میں ربط وتعلق کے علاوہ ایک سورت کے آغاز کا دوسری سورت کے آغاز سے بھی ایک گہرا ربط وتعلق ہے،آپ فرماتے ہیں:

''و كذٰلک مناسبت فاتحہ سورہ الاسراء بالتسبيح ، وسورہ الكهف بالتحميد ، لان التسبيح حيث جاء مقدَّ مٌ علىٰ التحميد، يقال: سبحان، والحمد [37] '' یعنی سورۃ الاسراء کا آغاز ''سبحا ن '' سے کیا گیا ہے،اسی طرح سورۃ الکہف کا آغاز بھی ''الحمد'' سے ہوتا ہے،ان دونوں سورتوں کے درمیان یہ مناسبت ہے کیونکہ تسبیح ہمیشہ تحمید سے مقدم ہوتی ہے۔

کرمانی اپنی کتاب "عجائب" میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورہ ص کا آغاز ''ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ [38]'' میں (ذِّکْرِ) کے لفظ سے کیا ہے اوراس کے آخر میں بھی یہی لفظ

'' إِنْ هُوَ إِلاَّ ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ 39''آتا ہے اورسورت''القلم'' کا (اللہ تعالیٰ)اپنے قول '' مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ 40''سے آغازکیا اوراپنے قول'' وَمَا هُوَ إِلاَّ ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ [41]''پر خاتمہ کیا[42] -

مولانا اشرف علی تھانوی کے مطابق سورۃ الفاتحہ میں''اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ 43''اورسورۃ البقرہ کے آغازمیں ''ذَلِكَ الْكِتَابُ[44]'' کے بعد''هُدًى لِلْمُتَّقِينَ[45]''فرما کران دونوں آیات کا آپس میں ربط وتعلق اور نظم

---

[37]: زرکشی،بدرالدین محمد بن عبداللہ،البرھان فی علوم القرآن،الناشر:دارالتراث،سن اشاعت:15 /2008/10ء،ص:39

[38] : سورۃ ص 38،آیت:1

[39]:ایضاً،آیت:(87،نوٹ:یہ سورت 88 آیات پر مشتمل ہے،یہاں آخر سے مراد بیان کی گئی آخری آیت نہیں ہے،لیکن اس سے مراد اس سورت کے اختتام کی طرف اشارہ ہے:ریسرچ اسکالر)

[40]:سورۃ القلم 68،آیت:2

[41]:ایضاً،آیت:52

[42]:الاتقان،ج:2،ص:277

[43]: سورۃ فاتحہ 1،آیت:6

[44]:سورۃ البقرۃ 2،آیت:2

[45]:ایضاً

کی ایک صورت یہ ہے کہ جب بندے نے صراط مستقیم کی رہنمائی طلب کی اسے کہا گیا کہ سیدھا راستہ میری کتاب (قرآن) ہے، جو پرہیزگاروں کو راستہ دکھانے والا ہے۔

نظم قرآن کے متعلق مولانا اصلاحی کی رائے

مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک قرآن مجید میں ایک سورت کا اندرونی نظم ہے، جو اس کے تمام اجزا کو اس کے موضوع اور عنوان سے وابستہ رکھتا ہے۔ قرآن کا مجموعی طور پر بھی ایک مخصوص نظم ہے، جس کے دو پہلو ہیں، جس میں سے ایک ظاہری طور پر ہے، جو ہر انسان کو نظر آتا ہے اور دوسرا مخفی یعنی گنجلک پہلو ہے، جو غور و فکر کرنے کے بعد سامنے آتا ہے۔ نظم قرآن کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

''نظم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورت کا ایک خاص عمود یا موضوع ہوتا ہے اور سورۃ کی تمام آیتیں نہایت حکیمانہ مناسبت اور ترتیب کے ساتھ اس موضوع سے متعلق ہوتی ہیں۔ سورۃ کے بار بار مطالعہ سے جب سورۃ کا عمود واضح ہو جاتا ہے اور سورۃ کی آیات کا تعلق بھی اس عمود کے سامنے آجاتا ہے تو پوری سورۃ متفرق آیات کا ایک مجموعہ ہونے کی بجائے ایک نہایت حسین وحدت بن جاتی ہے[46]''

آپ نظم قرآن کی اہمیت اور اس کی ضرورت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں نے اس تفسیر میں چونکہ نظم کلام کو پوری اہمیت دی ہے اس وجہ سے ہر جگہ میں نے ایک ہی قول اختیار کیا ہے بلکہ اگر میں اس حقیقت کو صحیح الفاظ میں بیان کروں تو مجھے یوں کہنا چاہئے کہ مجھے ایک ہی قول اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے کیونکہ نظم کی رعایت کے بعد مختلف وادیوں میں گردش کرنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا[47]''

مولانا نے قرآن کو سات گروپ میں تقسیم کیا ہے، جس کا ہر گروپ ایک یا ایک سے زاید مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زاید مدنی آیات پر پورا ہوتا ہے۔ ان میں نظم و ربط موجود ہے۔ جو کہ اس طرح ہے۔

1. : سورۃ فاتحہ—— سورۃ مائدہ
2. :سورۃ انعام—— سورۃ توبہ

---

[46]:اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، ص:195، اصلاحی حیات وافکار، ص:239

[47]:تدبر قرآن، ص:22

3. :سورۃ یونس— سورۃ نور
4. :سورۃ فرقان— سورۃ احزاب
5. :سورۃ سبا— سورۃ حجرات
6. :سورۃ ق— سورۃ تحریم
7. :سورۃ الملک — سورۃ الناس

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر ان سات گروپ میں بار بار تدبر کیا جائے تو ان کی ترتیب مشکل نہ رہے گی، جیسا کہ:

ہر گروپ کا ایک جامع عنوان ہوتا ہے اور اس گروپ کی سب سورتیں اس جامع عنوان کے کسی خاص پہلو کی حامل ہوتی ہیں۔ جیسے کسی گروپ میں قانون اور شریعت کے مسائل ہوتے ہیں تو کسی گروپ میں حق و باطل کا عنوان[48]۔

ہر گروپ میں شامل مدنی سورتیں اپنے گروپ کی مکی سورتوں سے درخت کے تنے کی مانند جڑی ہوتی ہیں۔

ہر سورت اپنا جوڑا یعنی مثنیٰ رکھتی ہے اور ایک کے خلا کو دوسری سورت پر کرتی ہے۔

صرف سورۃ الفاتحہ سب سے الگ ہے کیوں کہ یہ پورے قرآن کا مقدمہ ہے۔

کچھ سورتیں کسی دوسری سورۃ سے مستقل جڑی ہونے کی حیثیت نہیں رکھتیں، البتہ یہ سابقہ بیان کے کسی خاص عنوان کی وضاحت کرتی ہیں۔

ہر گروپ میں اسلامی دعوت کے تمام ادوار ابتدا سے انتہا تک کسی نہ کسی طرح تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

اس ترتیب میں قانون اور شریعت کے حصے کو سب حصوں پر مقدم رکھا گیا ہے، اور منذرات کے گروپ کو آخر میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح پہلے اور آخری گروپ میں وہی نسبت ہے، جو نسبت ایک عمارت اور اس کی بنیاد میں ہوتی ہے[49]۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن میں نظم ہے، تو پھر آخر کار پوشیدہ کیوں ہے؟ یعنی واضح رہے۔ اس کے جواب میں مولانا اصلاحی فرماتے ہیں: سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن میں جو مشکل موجود ہے، وہ حقیقت میں قرآن کی مشکل نہیں ہے، وہ ہماری مشکل ہے۔ قرآن شریف نے سب سے پہلے جن لوگوں کو مخاطب کیا ہے، ان کو

---

[48]: اصلاحی، حیات وافکار، ص: 240

[49]: تدبر قرآن، ص: 26،27

اس (نظم) کے متعلق کوئی بھی مشکل پیش نہیں آئی۔ زبان بھی ان کی تھی۔ حالات، وسائل، اعتراض اور سوال ان کے تھے۔ جو جماعت قرآن کی مخاطب تھی، وہ سب سامنے موجود تھے۔ وہ جس قسم کا عقیدہ و نظریہ رکھتے تھے، وہ سب معلوم و معروف تھا۔ ان اسباب کی وجہ سے قرآن کی گہرے سے گہرے اور پوشیدہ سے پوشیدہ کنایہ کو سمجھنے میں ان کو کوئی بھی تکلیف پیش نہیں آئی۔ جس وقت اور جس جگہ قرآن کی آیت نازل ہوئی، اس وقت وہاں اس کا مقصد اور اس کی نوعیت سمجھنے میں ہر چیز معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن آج کل کا زمانہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ قرآن مجید کی زبان نہ ہماری مادری زبان ہے اور نہ ہی حالات و مسائل ہمیں درپیش ہوتے ہیں۔ زمانے میں بھی صدیوں کا فرق ہوتا ہوا آیا ہے۔ اس صورت حال میں قرآن کو سمجھنے میں جو مشکلات پیش آ رہی ہیں، یہ بالکل فطری ہیں۔ ضرورت کے لحاظ سے عملی اور اخلاقی تعلیمات اور ہدایات کو سمجھنے کی بات الگ ہے، لیکن اگر کوئی شخص ربط اور نظم کی باریکیوں اور کلام کے منطقی اسرار اور حقائق کو سمجھنا چاہتا ہے کہ ظاہر ہے کہ ان کو نہ صرف زبان کی اجنبیت کو دور کرنا پڑے گا (یعنی زبان کو عبور کرنا پڑے گا) لیکن ذہنی اور فکری سوچ کے ذریعے اس گزرے ہوئے زمانے میں حقیقتوں اور ان کے احوال بھی باقاعدہ طور پر عبور ہونا چاہیے۔ جو ان کے اور قرآن کے نازل ہونے کے زمانے میں حائل ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ چیز ایک عظیم فکری اور عملی جدوجہد سے بعد ممکن ہے۔ دوسری اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ کسی شے کے جزا اور اس کی ترکیب میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اجزا کا علم کچھ آسان ہوتا ہے، لیکن ترکیب کے علم کے لیے تمام بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ نظم کا علم حقیقت میں ترکیب کا علم ہے۔ یہ صرف یہ نہیں بتاتے کہ فلاں آیت سے فلاں آیت کا کیا تعلق ہے؟ بلکہ اس کا اصل مقصد دین اور اخلاق کے اجزا کا باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ یہی حقیقت ہے جس کو حکمت کہا جاتا ہے اور حکمت ایک مخفی خزانہ ہے، جس کے حصول کے لیے بہت ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں۔

تیسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ عربی زبان کی کچھ خاصیت ہوتی ہے۔ عربی زبان میں بلاغت کی تعبیر مدعی کے لیے الفاظ کا سہارا اس حد تک لیا جا سکتا ہے، جس حد تک ناگزیر ہو۔ اگر کوئی شخص اس حد سے آگے بڑھ جاتا ہے کہ یہ کلام کا عیب ہے، جس سے قائل کی دلیل کا عجز سمجھا جاتا ہے۔ عرب کے باسی بہت ذہین تھے، اس لیے وہ کلام کے اندر ان تمام اجزا کو حذف کرتے ہیں، جس کو ایک ذہین سامع خود سمجھ لیتا ہے یا اس کو سمجھنا چاہیے۔ نزول کا زمانہ قرآن کے ادب اور قرآن کے مطالعے سے انہوں نے حذف و ایجاز کے کتنے اصول بنائے[50]۔

[50]: تدبر قرآن، ج:01، ص:23، 24 ۔ اصلاحی، حیات و افکار، ص:240، 241

تدبر قرآن کا تیسرا ماخذ

مولانا اصلاحی کے نزدیک تفسیر تدبر قرآن کا تیسرا بنیادی ماخذ "تفسیر القرآن بالقرآن" یعنی قرآن کی آیات کی تفسیر قرآن کی آیات سے استدلال کرنا ہے۔اس موقعہ پر یہ بات قابل غور ہے کہ دیگر اکثر مفسرین کے نزدیک تفسیر القرآن بالقرآن پہلے اور اعلیٰ ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن مولانا کی تفسیر دیگر مفسرین سے منفرد ہے۔اس لیے مولانا کی تفسیر کے ماخذ بھی منفرد ہیں۔

تفسیر القرآن بالقرآن کی کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

مولانا تدبر قرآن کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے جس طریقے سے تفسیر لکھی ہے یہ طریقہ میں نے اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہی کے اختیار کردہ طریقے کو اپنایا ہے۔مولانا اصلاحی "تفسیر القرآن بالقرآن" کو تیسرے ماخذ کے اصول کے طور پر رکھا ہے۔جیسے فرماتے ہیں: قرآن مجید خود اپنی تعریف "كِتَابًا مُّتَشَابِهًا " کے الفاظ سے کی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ [51]"، احسن اللہ تعالیٰ نے اچھی بات، ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ایک جیسا مضمون دھرایا گیا ہے[52]۔ اسی طرح یہ بات بھی قرآن نے بار بار واضح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کی باتیں اپنی آیات کی مختلف سورتوں میں پیش کرتے ہیں۔اس کے لیے "تصریف" کا استعمال ہوا ہے، جس کی معنیٰ ہے گردش کرنا۔قرآن مجید کی تلاوت کے دوران یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ یہ ایک ہی مضمون کا تکرار ہے، لیکن قرآن مجید میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن تکرار محض سے بالکل پاک ہے۔اس میں ایک آیت جو بار بار آتی ہے تو وہ بعینہ ایک ہی پیش اور عقب میں ایک ہی قسم کے لواحق وتضمنات سے نہیں آتی، لیکن اس کے طرف اور اس کے موضوع کی نوعیت، اس کا ربط و تعلق بالکل تبدیل ہے۔وقت اور جگہ کی مناسبت سے اس میں حالات کی مناسبت سے تبدیلی ہوتی ہے۔ایک جگہ پر ایک پہلو مخفی ہوتا ہے تو دوسری جگہ وہ پہلو واضح ہو جاتا ہے۔ایک جگہ اس کا رخ غیر معین ہوتا ہے تو اس کے سیاق وسباق میں دوسری جگہ وہ رخ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔اسی طرح ایک جگہ ایک بات کی دلیل سمجھ میں نہیں آتی تو دوسری جگہ وہ

---

[51]: سورۃ الزمر 39، آیت: 23

[52]: ترجمہ: امروٹی، تاج محمود، مولانا، قرآن مجید سندھی ترجمے سے، سعودی عرب، مدینہ منورہ، شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ پریس کمپلیکس، سن اشاعت (س۔ن) ترجمہ سورۃ الزمر، آیت: 23، ص: 463

روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے۔قرآن مجید کا ایسا اسلوب اس مقصد کے لیے ہے کہ اس کی ہر بات طالب کے ذہن میں بیٹھ جائے۔اسی طرح قرآن میں جتنی مشکل سے مشکل بات قرآن مجید سے واضح ہوتی ہے، یہ کسی دوسری چیز سے واضح نہیں ہوتی[53]۔

مولانا اصلاحی قرآن کو قرآن کا ماخذ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس تفسیر (تدبر قرآن) کو پڑھنے والے ان شاءاللہ محسوس کریں گے کہ میں نے نہ صرف آیات کے نظم اور ان کی تاویل کے تعین میں اصلی اعتماد قرآن کے شواہد و نظائر پر کیا ہے بلکہ الفاظ و اسالیب کی مشکلات میں بھی بیشتر قرآن ہی سے استفادہ کیا ہے۔اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں نعت یا نحو کی کتابوں کے حوالے نہیں دے سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معانی و حقائق کی طرح قرآن اپنی ادبی و نحوی مشکلات حل کے لیے بھی سب سے زیادہ مستند و مرجع ماخذ ہے[54] ''

تدبر قرآن کے بیرونی ماخذ

مولانا اصلاحی تدبر قرآن میں بیان کردہ ماخذوں میں جو بیرونی ماخذ (خارجی وسائل) بیان کیے ہیں، ان کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

سنت متواترہ و مشہورہ

قرآن مجید کی اصطلاحات کا تعلق جیسا کہ: صلاۃ، زکاۃ، حج، عمرہ، قربانی، مسجد حرام، صفا مروہ، سعی اور طواف وغیرہ، ان کی تفسیر مولانا اصلاحی مکمل طور پر سنت متواترہ کی روشنی میں کرتے ہیں[55]۔آپ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کے مفہوم بیان کرنے کا حق صرف صاحب وحی حضرت محمد ﷺ کو ہے[56]۔

---

[53]: تدبر قرآن، ج:01، ص:27، 28

[54]: ایضاً، ص:28

[55]: ڈاکٹر اختر حسین عزمی، اصول تفسیر میں مقام حدیث اور تدبر قرآن، ص:72، القلم، جون۔2012ء، تدبر قرآن، مقدمہ، ج:1، ص:28

[56]: ایضاً، ص:29

حضور ﷺ جس طرح اس قرآن کو لانے والے تھے،اسی طرح اس کے معلم واستاد اور مبین (وضاحت کرنے والے) تھے۔اس کی تعلیم و تبیین بھی حضور اکرم ﷺ کی رسالت کے فرائض کا اہم حصہ تھی۔مزید فرماتے ہیں کہ اب سوال یہ ہے کہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو گئی کہ فلاں اصطلاح کا یہ مطلب خود نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے [57]۔

اس لیے جس حد تک معروف دینی اصطلاحات کا تعلق ہے تو اس حد تک یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔اس لیے کہ اس قسم کی جملہ اصطلاحات کا حقیقی مفہوم بالکل عملی شکل میں سنت متواترہ کے اندر محفوظ ہے۔سنت متواترہ بعینہ انہی قطعی ذرائع سے ثابت ہے، جن سے قرآن ثابت ہے۔امت کے جس تواتر نے قرآن ہم تک پہنچایا ہے،اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔اگر فرق ہے تو صرف اس حد تک کہ ایک چیز قولی تواتر سے منقول ہے اور دوسری چیز عملی تواتر سے۔اسی طرح اگر قرآن کو ماننا ہم پر واجب ہے تو اس جیسی تمام اصطلاحات کو اس عملی صورت میں ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے خلف تک تواتر سے منقول ہوئی ہیں [58]۔اس صورت میں اگر جزوی صورت میں بھی اختلاف ہے تو اس اختلاف کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔جیسا کہ :پنج وقتہ نماز ادا کرنا سب جانتے اور مانتے ہیں اور اس قطعی صورت میں جانتے اور مانتے ہیں جس قطعی صورت میں قرآن کو جانتے اور مانتے ہیں۔اسی طرح معاملات میں دلائل کی روشنی میں جس پہلو پر جس کا اطمینان ہو اسے اختیار کر سکتا ہے۔اس کے بعد مولانا اصلاحی منکرین حدیث کی (حدیث میں اختیار کیے گئے نظریات) تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"منکرین حدیث یہ جسارت کہ وہ صوم و صلواۃ، حج وزکواۃ اور عمرہ و قربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے اس میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق ترمیم و تغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے اس لئے کہ جس تواتر نے ہم تک منتقل کیا ہے اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے [59]۔اگر وہ ان کو نہیں مانتے تو پھر قرآن کو ماننے کے

---

[57]: اصلاحی، حیات وافکار، ص:129

[58]:ایضاً

[59]:تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:29، عزمی، اختر حسین، اصول تفسیر میں مقام حدیث اور تدبر قرآن، ص:72، القلم، جون۔2012ء، اصلاحی، حیات وافکار، ص:129،130

لئے بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی، اصطلاحات کے معاملے میں تنہا لغت پر اعتماد بھی ایک بالکل غلط چیز ہے، صوم و صلواۃ کا لغت میں جو مفہوم بھی ہو لیکن دین میں ان کا وہی مفہوم معتبر ہوگا جو شارع نے واضح فرمایا ہے[60]"

مولانا حمید الدین فراہی اوپر مذکورہ دینی اصطلاحات کے متعلق اپنی تفسیر کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

"اصطلاحات شرعیہ مثلاً : نماز، زکواۃ، جہاد، روزہ، حج، مسجد حرام، صفا، مروہ اور مناسک حج وغیرہ اور ان کے ساتھ جو اعمال متعلق ہیں، تواتر و توارث کے ساتھ، سلف سے لے کر خلف تک، سب محفوظ رہے، ان میں جو معمولی جزوی اختلافات نظر آتے ہیں وہ بالکل نا قابل لحاظ ہیں۔شیر کے معنیٰ ہر شخص کو معلوم ہیں، اگرچہ مختلف ممالک کے شیروں کی شکلوں اور صورتوں میں کچھ نہ کچھ اختلافات ہیں۔اسی طرح جو نماز دین میں مطلوب ہے وہ وہی نماز ہے جو مسلمان پڑھتے ہیں، ہر چند کہ اس کی ہیئت میں بعض جزئی اختلافات ہیں۔جو لوگ اسی طرح کی چیزوں میں زیادہ کرید اور موشگافی سے کام لیتے ہیں، وہ اس دین قیم کے مزاج سے بالکل ناواقف ہیں جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے[61] "

" لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ [62]"

ترجمہ: نہ ان کا (جانوروں) گوشت اور نہ ان کا خون اللہ کو پہنچتا ہے، لیکن آپ کی پرہیز گاری اللہ کو پہنچتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

"پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری تعریف اور تصویر قرآن میں بیان نہ ہوئی ہو تو ان کے بارے میں خواہ مخواہ کو اخبار احاد پر نہیں جم جانا چاہئے۔ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی شک میں پڑو گے اور دوسرے کے اعمال کو بھی غلط ٹھیراؤ گے اور تمھارے درمیاں کوئی چیز ایسی نہیں ہوگی جو اس جھگڑے کا فیصلہ کر سکے۔ایسی صورتوں میں صحیح عمل یہ ہے کہ جتنے حصے پر تمام امت متفق ہے اتنے پر قناعت کرو اور جن چیزوں کے

---

[60]: عزمی، اصول تفسیر میں مقام حدیث اور تدبر قرآن، ص:72، تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:29، عزمی، اصلاحی، حیات وافکار، ص:130، 129

[61]: مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:41، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص:34، 33، تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:30، 29

[62]: سورۃ الحج:22، آیت:37

بارے میں کوئی نص صریح اور متفق علیہ عمل نبی ﷺ کا موجود نہیں ہے ان میں اپنے دوسرے بھائیوں سے جھگڑا نہ کرو جہاں تک اصطلاحات شرعیہ کا تعلق ہے[63] ''

مولانا اصلاحی نے تمام دینی اصطلاحات میں اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ مولانا کے نزدیک ہر حدیث کی اہمیت وحیثیت دیگر مفسرین و محدثین کی طرح نہیں ہے، لیکن مولانا صرف حدیث متواترہ اور مشہور کو اختیار کرتے ہیں، باقی احادیث کے ذخیرہ کو ظنی ماخذ میں شمار کرتے ہیں۔

احادیث وآثار صحابہ

مولانا تفسیر کے ظنی ماخذات میں سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ پاکیزہ ماخذ حدیث اور آثار صحابہ کو قرار دیتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ اگر ان کی صحت کی متعلق مکمل اطمینان ویقین ہو جائے تو ان کی تفسیر میں یہی اہمیت ہو گی جو اہمیت سنت متواترہ کی ہے۔ مولانا مزید فرماتے ہیں کہ ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ان سے اس حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے، جس حد تک وہ قطعی اصولوں کے موافق ہوں جو سنت متواترہ کے اصول ہیں۔ مزید فرماتے ہیں: جو لوگ احادیث اور آثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں جو ان کو خود قرآن پر حاکم بناتے ہیں وہ خود نہ قرآن کا درجہ پہچانتے ہیں نہ حدیث کا۔ اس کے برعکس جو لوگ احادیث وآثار کو حجت واہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے، وہ بھی اپنے آپ کو اس روشنی سے محروم کرتے ہیں جو قرآن کے بعد سب سے قیمتی روشنی ہے۔ آپ سب احادیث کو قرآن سے ہی ماخوذ ومستنبط سمجھتے ہیں۔ اسی طرح صرف ان احادیث سے استفادہ تک محدود نہیں رہے ہیں جو قرآن کی کسی آیت کے متعلق صراحت سے وضاحت کرتی ہیں، بلکہ پورے ذخیرہ احادیث سے اپنے امکانی حد تک استفادہ کرنے کے قائل ہیں۔ خاص طور پر حکمت قرآن کے مسئلے میں جتنا استفادہ حدیث سے کیا ہے اتنا کسی اور چیز سے نہیں کیا ہے۔ حدیث کے متعلق مولانا کا موقف ہے کہ اگر کوئی حدیث مجھے ایسی ملے ہے جو نظر نہ آئی تو میں نے وضاحت تک توقف کیا ہے، اور اس صورت میں میں نے ترک کر دیا ہے، جب تک میرے سامنے یہ بات واضح نہ ہوئی کہ اس حدیث کے ماننے سے یا تو قرآن کا انکار ہو گا یا ان کی زد دین کے کسی اصول پر پڑے گی۔ جہاں

[63]: اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:42، اصلاحی، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص:34،33، تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:30

تک حدیث صحیح کا تعلق ہے، اس کی نوبت بہت کم ہے جو ان کی موافقت قرآن سے ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اگر کسی جگہ ایسی صورت پیش آجائے تو وہاں مولانا قرآن مجید کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی وجہ ترجیح تفصیل سے بیان کرتے ہیں[64]۔

یہاں ایک حدیث صحیح کی مثال پیش کی جارہی ہے جو مولانا نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے:

''قال النبی ﷺ ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الاموضع لبنتہ من زاویت فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھل لاوضعت ھذہ اللبنت فانا تلک اللبنت وانا خاتم النبیین [65]''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری اور سابقہ انبیا کی مثال اس طرح ہے، جیسے ایک شخص نہایت بہترین عمارت بنائے، لیکن اس کے ایک جانب سے ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہو۔ لوگ اس کے چاروں جانب گھومتے رہے اور کہنے لگے کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ تو میں وہ اینٹ ہوں۔ میں خاتم النبیین ہوں۔

آثار صحابہ کی مثال ذیل میں بیان کی جاتی ہے:

''عن ابن عباس قال قال عمر قد خشیت ان یطول بالناس زمان حتی یقول قائل لانجد الرجم فی کتاب اللّٰہ فیضلوا بترک فریضت انزلھا اللّٰہ وقد قراءنا الشیخ والشیخت اذا زنیا فارجموھما البتت [66]''

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر کچھ زمانہ گزرے گا تو وہ وقت آئے گا کہ کہنے والے کہیں گے رجم کی سزا کا ذکر اللہ کی کتاب میں تو ہم کہیں نہیں پاتے۔ اسی طرح یہ خدا کا ایک فرض ہے جو اس (اللہ) نے نازل کیا ہے۔ اس کو ترک کرکے گمراہ ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہم نے خود یہ آیت ''الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ'' تلاوت کی ہے۔

"بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو لازماً سنگسار کیا جائے"

---

[64]: تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:30

[65]: ایضاً، ج:06، ص: 245

[66]: ایضاً

اس روایت کے متعلق مولانااصلاحی فرماتے ہیں:اس روایت پر غور کیاجائے تومعلوم ہوتاہے کہ یہ ہر پہلوسے کسی منافق کی گھڑی ہوئی روایت لگتی ہے،اس کے گھڑنے کامقصد قرآن کی مخطوطیت کاتشابہ بنانااور سادہ لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ پیداکرناکہ قرآن کی کچھ آیات قرآن سے نکالی گئی ہیں [67]۔یعنی قرآن سے ان کامنسوخ ہوناثابت ہے۔

اس بات سے یہ معلوم ہوتاہے کہ مولاناحدیث کے اصولوں میں دوسرے کئی علماسے منفرد رائے رکھتے ہیں یعنی حدیث میں صحیح اور متواتر کو حجت تسلیم کرتے ہیں ،باقی احادیث کو تفسیر میں اس درجے کی حیثیت نہیں دیتے۔

شان نزول کے متعلق مولاناکاموقف

مولاناکاشان نزول کے متعلق یہ نظریہ ہے کہ آپ اپنے استاد مولاناحمیدالدین فراہی کے موقف کی پیروی کرتے ہیں۔اپنے شیخ کاقول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

''شانِ نزول کا مطلب، جیساکہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھاہے ، یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یاسورۃ کے نزول کاسبب ہوتاہے، بلکہ اس سے مرادلوگوں کی وہ حالت و کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام بر سر موقع حاوی ہوتاہے، کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یاچند خاص امور کو مد نظر رکھے بغیر کلام کیاگیاہو،اور وہ امر یا امور جن کو کسی سورہ میں مد نظر رکھاجاتاہے،اس سورہ کے مرکزی مضمون کے تحت ہوتے ہیں -لہٰذا اگر تم کو شانِ نزول معلوم کرنی ہو تواس کو خود سورہ سے معلوم کرو[68]۔کیونکہ کلام کااپنے موقع و محل کے مناسب ہوناضروری ہے[69] ،جس طرح ایک ماہر طبیب دواکے ایک نسخہ سے اس شخص کی بیماری معلوم کر سکتاہے جس کے لئے نسخہ لکھاگیاہے اسی طرح تم ہر سورہ سے اس سورہ کے شان نزول معلوم کر سکتے ہو-اگر کلام میں کوئی خاص موضوع پیش نظر ہے تو اس کلام اوراس موضوع میں وہی مناسبت ہو گی جو مناسبت لباس اور جسم میں بلکہ جلد اور بدن میں ہوتی ہے-اور یہ جو روایتوں میں آتاہے کہ فلاں فلاں آیات فلاں فلاں معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں تواس کے معنی یہ ہوتی ہے

---

[67]: ایضاً، ج:05،ص: 366،367

[68]: ایضاً،ج:01،مقدمہ،ص:31

[69]:اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی،ص:37

کہ سورہ کے نزول کے وقت یہ احوال و مسائل درپیش تھے [70] تاکہ معلوم ہو سکے کہ سورہ کے نزول کے لیے کیا محرکات اور اسباب موجود تھیں[71]"

مولانا فراہی اپنی تفسیر مقدمہ نظام القرآن میں علامہ جلال الدین سیوطی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

امام زرکشی برہان میں لکھتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کا عام معمول رہا ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں واقعے کے متعلق نازل ہوئی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعینہ یہی بات اس آیت کے نزول کا سبب ہے [72]، گویا اس حکم پر اس آیت سے ایک قسم کا استدلال ہوتا ہے۔ اس کا مقصد واقعہ کا نقل ہونا نہیں ہوتا۔ مزید مولانا فراہی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اسباب نزول میں ایک قابل لحاظ یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ آیت اس زمانے میں نازل ہوئی ہو جس زمانے میں واقعہ پیش آیا[73]۔

اس کے بعد مولانا فراہی لکھتے ہیں کہ امام زرکشی کے اس بیان سے یہ مشکل بھی حل ہو جاتی ہے، جس کا ذکر امام رازی "وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا :الآیہ[74]" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"مجھے یہاں ایک سخت اشکال پیش آیا ہے، وہ یہ کہ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ پوری سورہ بیک وقت نازل ہوئی تھی۔ اگر صورت معاملہ یہ ہے کہ تو پھر ہر آیت کے بارے میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب نزول فلاں واقعہ ہے؟[75]"

اس کے بعد مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ ہمارا موقف یہی ہے، جو اوپر کی تفصیل سے واضح ہوا۔ اس معاملے کی صورت حال یہ ہے کہ جس وقت جو سورت نازل کی گئی، اس مقصد سے نازل کی گئی ہے تاکہ جو معاملات توضیح و تشریح کے محتاج تھے، ان کی وضاحت و تشریح کی گئی ہے۔ قرآن اللہ کا ایسا کلام ہے کہ اس کے نظم میں کسی بھی قسم کا التباس اور ابہام نہیں ہے۔ جس طرح ایک ماہر اور حکیم خطیب اپنے سامنے خاص حالات اور مقتضیات کی بنیاد پر ایک

---

[70]: تدبر قرآن، مقدمہ، ص:31

[71]: اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:37، اصلاحی، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص:24

[72]: تدبر قرآن، مقدمہ، ص:31، اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:37، اصلاحی، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص:24

[73]: اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:37، تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:31، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص:24

[74]: سورۃ الانعام، 06، آیت:54

[75]: بحوالہ اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:37، تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:31

خطبہ دیتا ہے تو کبھی ایک خاص معاملے کا ذکر اگرچہ نظرانداز کیا جاتا ہے، لیکن اس کا کلام اس طرح کے معاملات اور احوال پر حاوی ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن کا نزول بھی ہوا ہے[76]۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

اگر آپ دلی اطمینان اور یقین کے طالب ہیں تو شان نزول کی پیروی میں نظم کو ہر گز ہاتھ سے نہ چھوڑیں، ورنہ آپ کی مثال صحرا کے اس مسافر کی طرح ہو گی، جو رات کی تاریکی میں کسی ایسی جگہ پہنچ گیا ہو اب اسے یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ وہ کہاں جائے۔ شان نزول خود قرآن کے اندر سے ہی اخذ کرنا چاہیے اور احادیث و آثار کے ذخیرہ سے صرف وہ دلیل لینی چاہیے، جو نظم قرآن کی موافقت کرے، نہ کہ ان کے سارے نظم کو درہم برہم کرے[77]۔

مزید فرماتے ہیں: میں نے شان نزول کے معاملے میں ٹھیک اسی طریقے کی پیروی کی ہے۔ واقعات کو صرف انہی آیات کی تفسیر میں اہمیت دی ہے، جس میں کسی واقعے کی صراحت یا مشکل ہے۔ ان کو بھی تمام غیر ضروری تفصیلات سے الگ کر کے لایا ہوں، جس کی تائید قرآن کے الفاظ یا اشارات سے موجود نہیں ہے [78]۔

سابقہ کتب تفاسیر

قرآن مجید کی تفاسیر میں سے مولانا امین احسن اصلاحی نے تین تفاسیر کو اپنے مطالعہ میں رکھا، جو یہ ہیں:

1:جامع البیان فی تفسیر القرآن۔تفسیر طبری، امام محمد بن جریر بن یزیدبن کثیر بن غالب.

2:التفسیرالکبیر/"مفاتیح الغیب"، ابو□بدالله محمدبن □مربن الحسن بن الحسین بن □لی الرازی الشافعی الاشعری۔

3:"تفسیرالکشاف"ابوالقاسم محمودبن □مربن محمدبن □مرالخوارزمی الزمخشری المعتزلی۔

ان تفاسیر کے متعلق مولانا اصلاحی فرماتے ہیں:

"تفاسیر میں یہ تین تفاسیر میرے مطالعے میں رہیں۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر رازی، تفسیر زمخشری، سلف کے اقوال کا مجموعہ تفسیر ابن جریر ہے۔ متکلمین کے قیل وقال کی موشگافیاں امام رازی کی تفسیر کبیر میں موجود ہیں۔ نحو اور اعراب کے مسائل امام زمخشری کی تفسیر کشاف میں موجود ہیں"۔ مزید لکھتے ہیں کہ یہ تفاسیر میری

---

[76]:اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:37۔ تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:31

[77]: ایضاً

[78]:تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:31

فکر و مطالعے کی زندگی کے آغاز سے ہی میری نظر میں تھے، لیکن تفسیر لکھنے کے وقت ان پر خصوصی دوبارہ نظر بڑھی ہے۔ان کے علاوہ جو دیگر تفاسیر ہیں،ان کی طرف میں نے صرف اس وقت رجوع کیا ہے، جس وقت کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ جس کے لیے ان پہلوؤں کو تلاش کرنا پڑا ہے، جہاں کسی نہ کسی طرح رہنمائی کی امید رہی ہے۔مزید فرماتے ہیں کہ ان کتب سے میرے استفادے کی نوعیت نہیں ہے کہ میں نے کوئی بات صرف ان پر اعتماد کرتے ہوئے لکھی ہو بلکہ صرف وہی بات ان سے لی ہے، جو میرے اختیار کردہ اصولوں پر پوری اترتی ہیں جو اوپر بیان کی جاچکی ہیں۔اسی طرح اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میرا طریقہ یہ ہے ،جو اوپر بیان کیا گیا ہے، وہ اس طرح ہے کہ ہر سورت اور ہر آیت پر اس کے الفاظ،اس کے سیاق وسباق، نظم قرآن میں اس کے شواہد و نظائر کی روشنی میں غور کیا گیا ہے۔اسی طرح جو باتیں سمجھ میں آتی ہیں،مزید اطمینان سے ان کی تفسیر میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں پہنچنے سے ان کی تائید اگر تفاسیر سے بھی ہو جاتی ہے تو اس پر مزید اطمینان حاصل ہوتا ہے۔اگر تفاسیر سے اس کی تائید نہیں ہوتی تو اس پر غور و فکر جاری رکھا ہے تاکہ یہ غلطی دلائل سے واضح ہو جائے یا تفسیر میں جو بات ہے۔اس کے ضعیف ہونے کے دلائل سامنے آئیں،یعنی مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک تفسیر لکھنے کا یہ طریقہ رہا ہے۔اسی طرح فرماتے ہیں کہ میری تفسیر میں تفاسیر کا حوالہ بہت کم ملے گا۔ صرف ان مقامات پر حوالہ دیا ہے، جہاں مسئلے کی اہمیت داعی یا قاری کے اطمینان کے نقطہ نظر کے حوالے کی اہمیت وضرورت محسوس ہوئی ہے۔ [79]۔ آپ نے اہم مقامات پر جہاں اپنی تائید کے لیے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، وہاں اپنے نقطہ نظر کی تائید میں تمام جامع دلائل دیئے ہیں۔ جیسے فرماتے ہیں:

''اہم مقامات میں جہاں میں اپنی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دے سکا ہوں وہاں اپنے نقطہ ء نظر کی تائید میں اتنے دلائل جمع کر دیئے ہیں جو ان شاءاللہ اطمینان پیدا کرنے کیلئے کافی ہوں گے [80]''

قدیم آسمانی صحائف

قرآن مجید میں جگہ جگہ قدیم آسمانی صحائف یعنی تورات، زبور اور انجیل کا ذکر آتا ہے،اس میں کتنی جگہوں پر بنی اسرائیل کی گزری ہوئی قوموں کا تذکرہ ہے۔ کچھ مقامات پر یہود و نصاریٰ کی تحاریف کی تردید اور ان کی پیش کی

[79]: ایضاً،ص:32،33

[80]:ایضاً

گئی تاریخ پر تنقید ہے۔اس طرح کے مواقع پر مولانااصلاحی ان روایات پر اعتماد نہیں کرتے، جو تفاسیر میں منقول ہیں۔ایسی روایات زیادہ سے زیادہ سنی اور سنائی گئی باتوں پر مشتمل ہیں۔اس وجہ سے نہیں کہ یہ اہل کتاب پر حجت بنتی ہوں اور نہ ہی ان سے ان کے دل میں اطمینان پیدا ہوتی ہے۔

مولانااصلاحی نے ایسے مواقع کی بحث وتنقید کی بنیاد اصل ماخذات یعنی تورات، زبور اور انجیل پر رکھی ہے۔جہاں قرآن اور قدیم صحائف میں موافقت ہے تو وہاں مولانا نے ان کی طرف موافقت بیان کی ہے اور جہاں قرآن اور قدیم صحائف میں فرق ہے اس جگہ قرآن کے بیان کی حجت وقوت کی وضاحت کی ہے۔تفسیر کی پہلی جلد (سورۃ البقرۃ اور آل عمران دونوں سورتوں کی تفسیر) میں ایسے کئی مواقع پر پیش آتے ہیں، جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فی الواقع قرآن مجید کا اصل موضوع اس وقت وضاحت ہوتا ہے جب کسی معاملے میں اس کی بیان کو تورات اور انجیل کے مقابلے میں جائزہ لیا جائے۔

مولانا اصلاحی ان صحائف کے بار بار مطالعے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ قرآن کی حکمت کو سمجھنے میں جو رہنمائی ان صحائف سے ملتی ہے، یہ رہنمائی بمشکل کسی دوسری چیز سے حاصل ہوتی ہے۔خاص طور پر زبور، تورات اور انجیل کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے اندر ایمان کی وہ غذا موجود ہے، جو قرآن وحدیث کے علاوہ دوسری کسی جگہ نظر نہیں آتی۔آپ اس بات پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حیرت ہوتی ہے کہ جن قوموں کے پاس یہ صحیفے موجود تھے وہ قرآن اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ سے کیوں محروم رہیں[81]''

مولانااصلاحی آسمانی صحائف میں تفریق کے قائل نہیں ہیں[82]۔مزید فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اسی طرح تورات، زبور اور انجیل بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔اگر ان میں ان کے بدقسمت پیروکار تحریف نہ کرتے تو اسی طرح یہ بھی ہمارے لیے رحمت وبرکت ہوتیں، جس طرح قرآن ہے۔لیکن ان

---

[81]: ایضاً، ج:01، مقدمہ، ص: 33

[82]: محمد خبیب، ڈاکٹر محمد عبداللہ، تفسیر تدبر قرآن میں کتب سابقہ سے اخذ واستدلال (منہج واسلوب کا جائزہ)، ص:18، القلم، ڈسمبر-2014ء

تحریفات کے باوجود آج بھی ان میں حکمت کے جو خزانے ہیں، اگر کوئی بھی شخص ان کا مطالعہ کرے تو روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے، کہ ان صحائف کا سرچشمہ بھی بلاشبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے[83]۔

تاریخ عرب

قرآن مجید میں عربوں کی گزشتہ اقوام جیساکہ: عاد، ثمود، مدین اور حضرت لوط کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔ان کی طرف انبیا کرام کی دعوت اور اس دعوت پر ان کے رد عمل کی طرف اشارات موجود ہیں۔اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی عرب میں آمد، ان کی قربانی والی دعوت، اپنے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس کی برکت سے عرب کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی حالات کی تبدیلی کا مختلف طریقوں سے بیان ہے۔اس کے قریش نے جس طرح دین ابراہیمی کو مسخ کیا اور بیت اللہ کو جو توحید کا مرکز تھا، اسے جس طرح بت خانہ بنایا، اور اس کے نتیجے میں جو رسوم اور جو بدعات ظہور پذیر ہوئیں، ان کا جگہ جگہ حوالہ ملتا ہے۔ان سب باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس بات کی ضرروت ہے، کہ اس دور کی پوری تاریخ پر نظر ہو۔اس تاریخ کے متعلق مولانا کا نقطہ نظر یہ تھا کہ بدقسمتی سے اس دور کی کوئی بھی مستند تاریخ موجود نہیں ہے۔حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی تاریخ کا وہ حصہ جو عرب میں ان کی آمد اور بیت اللہ کی تعمیر اور قربانی وغیرہ کی سے متعلق ہو۔یہ جس طرح سورہ بقرہ کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے اسے مٹا دیا تھا۔مختلف کتب سے کچھ معلومات ملتی ہے، وہ اگرچہ مفید ہے، لیکن یہ کافی نہیں ہے۔بلکہ مختصر ملتی ہے۔اسی طرح عرب کے شاعروں اور خطیبوں کے کلام سے معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کی باتوں کی طرف صرف اشارات ملتے ہیں، جو نہایت کارآمد ہیں۔ان کی طرف بھی مولانا اصلاحی اشارہ کرتے ہیں، اور جہاں جہاں کچھ معلومات ملنے کا اشارہ ملتا ہے وہاں اس معلومات کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کوشش کے دوران کافی معلومات ملی ہے، جس سے قرآن پر غور کیا ہے، جس سے اصل اعتماد کا ذریعہ قرآن مجید کو قرار دیا ہے۔اسی طرح تاریخی روایات میں سے ان باتوں کو اخذ کیا ہے، جن کی تائید قرآن مجید سے حاصل ہوئی ہے [84]۔

خلاصہ

---

[83]: تدبر قرآن، ج:1، ص:33، تفسیر تدبر قرآن میں کتب سابقہ سے اخذ واستدلال (منہج واسلوب کا جائزہ)، ص:19،20

[84]:تدبر قرآن، ج:01، مقدمہ، ص:33،34

معلوم ہوا کہ مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن برصغیر پاک وہند کی مشہور تفاسیر میں سے ایک ہے، جس کا اسلوب دیگر تفاسیر سے بہت مختلف ہے، مولانا نے تفسیر کے ماخذ دیگر مفسرین کے ماخذات سے الگ انداز سے رکھے ہیں، یہ تفسیر نو(9) جلدوں پر مشتمل ہے، جو مولانا اصلاحی صاحب نے 23 سالوں کے طویل عرصے میں مکمل کیا۔